ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.1.2025

اردو ناول میں افغان جنگ کے نفسیاتی اثرات کا تجزیہ

سلام اللہ، پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ لسانیات وادبیات (اردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور

ڈاکٹر تحسین بی بی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات وادبیات (اردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور

ڈاکٹر اعجاز احمد جان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات وادبیات (اردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور

Abstract:

The afghan war has left deep psychological scars on individuals and communities. This article delves into the psychological impact of the afghan war as depicted in Urdu novels, focusing on themes of trauma, loss, resilience and identity. Through a literary lens, it examines how authors have captured the emotional and mental struggles of characters affected by the conflict, offering a profound understanding of the human cost of war. The article also highlights the role of literature in documenting the human experience during times of crisis.

Keywords:

Afghan war, psychological, effects, violence, mental health, insecurity, intolerance fear, trauma hatred, revenge, extremism, islamophobia.

جنگوں کے نفسیاتی اثرات بے حد پیچیدہ ہوتے ہیں جو محض فرد کی ذات تک محدود نہیں ہوتے بلکہ معاشرے کے تمام افراد اس کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ جنگیں فرد اور سماج کی ذہنی صحت کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتا مگر اس کے اثرات دیرپا اور تلخ ہوتے ہیں۔ ذہنی صحت کی پامالی سے انسانی اعصاب پر ایسے اثرات مرتب ہو جاتے ہیں جس کے زیر اثر وہ لاشعوری طور پر جذباتی صدموں اور منفی رویوں کا شکار بن جاتے ہیں۔ جن مظاہر سے نفسیاتی پیچیدگیوں کو ناپا جاسکتا ہے ان میں عدم تحفظ کا احساس، خوف، جارحیت، فکری انتہا پسندی، عدم شناخت کا احساس، عدم برداشت، ڈراؤنے خواب، جذباتی عدم توازن، ماضی کی تلخ یادوں کی دستک (Intrusive thoughts) وغیرہ شامل ہیں۔ شبنم گل ایکسپریس کے لیے تحریر کردہ اپنے مضمون میں جنگوں کے انسانی ذہنی صحت پر اثرات کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> "دنیا کے کسی بھی کونے میں رونما ہونے والی جنگ میڈیا کے ذریعے، براہ راست ایک عام آدمی کی ذہنی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ خاص طور پر بچے اور نوجوان زیادہ متاثر ہوتے ہیں، وہ لوگ جو براہ راست جنگ میں گھرے ہوتے ہیں ان کی ذہنی صحت کہیں زیادہ متاثر ہوتی ہے مگر جو دور سے تشدد، قتل وغارت گری اور انسانی اقدار کی پامالی کا مشاہدہ کرتے ہیں اسے دوسرے درجے کا مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ یہ مشاہدات نوعمری کے دوران ذہنوں پر مضر اثرات مرتب کرتے ہیں۔"[1]

دنیا نیوز ڈاٹ ٹی وی اپنے ایک اداریے میں چالیس سالہ افغان جنگ کی نفسیاتی کشمکش سے جنم لینے والے مسائل پر لکھے گئے اداریے میں اعداد و شمار کا سہارا لیتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"افغانستان میں جاری جنگ کے نتیجے میں دس لاکھ سے زائد افراد ذہنی مسائل کا شکار ہو چکے ہیں، جن میں خواتین میں خود کشی کا رجحان بھی شامل ہے۔" ان حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگیں عوام کی ذہنی صحت ہر گہرے اور دیرپا منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔ جس مین فرد کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاشرتی زندگی میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔"[۲]

افغانستان میں چار دہائیوں تک جاری رہنے والی جنگ نے جہاں سماج کی مختلف اکائیوں کو شکست وریخت سے دوچار کیا، وہیں اس نے انسانی ذہن کے نہاں خانوں کو بھی تہہ وبالا کر دیا۔ یہ جنگ محض فوجی تصادم نہیں تھی، بلکہ ایک ایسی نفسیاتی جنگ تھی جس نے فرد کی داخلی دنیا کو مفلوج کر کے ایک نسل کو صدمے کی میراث سے نواز دیا۔ اردو ناول نگاروں نے اس جنگ کے جذباتی، سماجی اور وجودی اثرات کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنی تخلیقات میں اسے ایک دستاویزی حقیقت کی شکل دی۔ اردو ادب میں بالخصوص ناول نگاروں نے اپنے ناولوں کے بیانیوں کی روشنی میں جنگ کے ان گہرے نفسیاتی اثرات کا تجزیہ نہایت خوب صورتی سے پیش کیا ہے، جنہوں نے فرد سے لے کر پورے خطے کی اجتماعی نفسیات کو متاثر کیا ہے۔

افغان جنگ کے موضوع پر لکھے گئے ناولوں میں زندگی کے ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کی ذہنی صحت پر مرتب کردہ اثرات کو تخلیقی رنگ میں پیش کرنے کی سعی ملتی ہے۔ چار دہائیوں پر مشتمل اس جنگ نے خواتین اور بچوں کی ذہنی صحت کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ یہ طبقہ چونکہ آسان ہدف ہوتا ہے جو جنگ زدہ خطوں میں سب سے زیادہ ذہنی اور جسمانی مصائب کا شکار ہوتا ہے۔ انسانی نفسیات پے در پے حادثات ومصائب آنے سے مشکل زندگی کی عادی بن جاتی ہے۔ بڑے سے بڑا سانحہ اس کے لیے معمول کا واقعہ بن جاتا ہے۔ افغان جنگ کی طوالت اور روزمرہ کی خون ریزیوں نے سرحد کے دونوں جانب بسنے والے انسانوں کو ایک طرح سے جذباتی سپاٹ بنا دیا تھا۔ کئی لاشیں، کٹے ہوئے انسانی اعضا، درجنوں مرے پڑے انسان، تباہ حال آبادیاں، روزمرہ کے بم دھماکے، گم شدہ عزیز واقارب غرض ہر قسم کی دہشت ووحشت پھیلانے والے واقعات ان سالوں میں اتنے عام ہو گئے کہ اس میں کوئی خبر یا سنسنی نہ رہی۔ اس خطے میں بسنے والے انسانوں نے لاشعوری طور پر اسے روزمرہ کے معمولات کا حصہ مان لیا تھا۔ چالیس سالہ افغان جنگ نے انسانی نفسیات کو احساسات سے عاری کر کے ان واقعات کو انسانی نفسیات کے لیے حسبِ معمول کر دیا تھا۔

مستنصر حسین تارڑ کے ناول "قلعہ جنگی" میں اس قسم کے بے خوفی وبے حسی پر مشتمل رویے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جب مزار شریف کے قلعہ جنگی میں انسانی قتل عام سے قبل امن کے دنوں میں بچے فٹ بال کھیلنے آتے تھے، مگر اب کئی روز سے والدین بچوں کو مختلف حیلے بہانوں سے یہاں جانے سے منع کرتے ہیں اور ان حالات میں ایک بچہ چوری چھپے قلعہ جنگی کے احاطہ میں کھیلنے پہنچ جاتا ہے تو اسے بچوں کا کھیلتا کھودتا میدان نہیں بلکہ بے روح انسانی لاشوں سے ڈھکا ہوا میدان نظر آتا ہے۔ قدرتی طور پر ایک بچے کے لیے یہ منظر ڈراؤنا ہونا چاہیئے تھا لیکن مسلسل قتل وغارت، لاشوں اور جنازوں کے درمیان پلا بڑھا یہ بچہ بغیر کسی خوف وحیرت کے اس منظر کو دیکھتا ہے:

"ایک افغان بچے کے لیے ایک لاش کبھی بھی کسی حیرت کا موجب نہیں بنتی۔۔۔ اس کے گھر کے صحن میں۔۔۔ کسی کھیت میں سکول کے باہر۔۔۔ کوئی ایک یا کئی لاشیں محض معمول تھیں۔"[۳]

مسلسل قتل وغارت اور مار دھاڑ کی وجہ سے عوامی سطح پر بے خوفی اور بے حسی اتنی بڑھ گئی تھی کہ جب مزار شریف کی ایک گلی میں ایک طالب کی شریانوں میں پٹرول ڈال کر زندہ جلایا جارہا تھا تو لوگ خوشی سے نعرے لگا رہے تھے اور تالیاں بجا رہے تھے۔

طاہرہ اقبال کے ناول "نیلی بار" میں بھی جنگ زدہ خطے میں خون خرابے، قتل وغارت، موت اور انسانی باقیات دیکھنے کے بعد بے حسی اور بے خوفی کے رویوں کی عکاسی ملتی ہے۔ ان مسلسل روح فرسا واقعات نے انسانی نفسیات کو اتنا متاثر کیا تھا کہ اب ان میں کسی بھی قسم کے ترس، خوف اور حیرت کے جذبات مفقود ہو گئے تھے۔ یہ دل دوز سانحات ان کے لیے صبح وشام کے معمولات کا لازمی جزو بن گئے تھے۔ ناول "نیلی بار" میں جب فوقی اور لیاقتی ایک ایسے میدان سے گزرتے ہیں جہاں انسانی اعضاء الٹے پلٹے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

پڑے ہیں تو وہ کسی حیرت، خوف یا اجنبیت کا اظہار ہی نہیں کرتے، پہاڑوں سے گھرا ہموار میدان پرانی نئی ہڈیوں سے اٹا تھا۔ جن پر سے چمڑا اور ماس نوچ لیا گیا تھا، یا شاید گل سڑ گیا تھا۔

پچھلے ایک مہینے سے انسانی لاشیں، بکھریں اعضاء اور ہڈیاں معمول کا نظارہ بن چکی تھیں۔ اس لیے خوف، افسوس انسانی لاشوں اور لہو کی بدبو ان کے لیے معمول تھا۔ لیاقتی ہڈیوں کی حرمت کے پیش نظر بچا بچا کر پیر رکھنے لگا:

"ہاں کافر تو جہازوں پر چڑھ کر آتے ہیں وہ کہاں مرتے ہیں پتہ نہیں کن کن کی ہڈیاں ہیں۔۔۔ یارا ان پر ترس نہ کھا یہ ہڈیاں ماس مٹی کی غذا ہیں۔"[۴]

اگر ایک جانب جابجا بکھرے پڑے انسانی خون، لوتھڑوں اور آلائشات نے انسانوں کو رحم، ترس اور فطری خوف کے جذبات سے بیگانہ کر دیا تھا تو دوسری طرف اس جنگ نے فدائیں کی تیاری میں انسانی نفسیات کو ایک عمل انگیز کے طور پر استعمال کیا۔ مذہبی جذبات کا سہارا لینے کے ساتھ متاثرین کے ساتھ ہونے والے ماضی کے سانحات کو سامنے لا کر ان کے خیالات اور ذہنی تناؤ (Intrusive thoughts) کو برانگیختہ کیا جاتا اور ان کے احساس ذلت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال میں لایا جاتا رہا۔

چالیس سالہ افغان جنگ نے گلی گلی، گھر گھر المیوں کو جنم دیا، کسی کا باپ مارا گیا کسی کا بیٹا یا کسی کا کوئی اور عزیز۔ اس جنگ کی نذر ہو گیا۔ اس جنگ میں فدائیں کی ایک بڑی تعداد انتقام اور بدلے کی آگ بجھانے کے لیے فدائی بننے پر آمادہ ہوئی۔ زیف سید کے ناول "گل مینہ" میں فتح خان ایک ایسے کردار کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں جس نے اس جنگ میں اپنے باپ کو مرتے اور ماں کو تین بار بیوہ ہوتے دیکھا ہے۔ جس کی تعلیم اس جنگ کی وجہ سے مکمل نہیں ہو پاتی۔ باپ کی شہادت اور ماں کی دکھ بھری زندگی کے رد عمل میں فتح خان کے ذہن میں انتقام کا لاوا غیر محسوس انداز میں پکتا رہتا ہے جو بالآخر راولپنڈی کے لیاقت باغ میں بے نظیر کے جلسے میں خود کو اڑاتا ہے۔ ایک دن فتح خان کے ٹریننگ سنٹر کا ساتھی صدیق چھپ کر فتح خان کی والدہ سے ان کے شب و روز کا ذکر کرتا ہے:

"اس نے مجھے بتایا کہ اسے خطیب صیب نے فدائی بننے پر آمادہ کیا تھا۔ خطیب صیب ہمارے مدرسے کا مہتمم تھا اور سب سے بڑا عالم تھا۔ خطیب صیب نے فتح کو اس کے ابا کے مرنے کے بارے میں بتایا اور کہا کہ اگر وہ اس کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو خطیب صیب اس کی مدد کر سکتے ہیں۔۔۔ خطیب صیب کہیں سے ایک پینٹر لے کر آتے ہیں، اس نے مدرسے کے کمرے کی دیواروں پر جنت کی تصویریں بنائی ہیں۔ پہاڑ، باغ، جھیل وغیرہ وغیرہ۔ خود کش کو یہ سب کچھ دکھا کر کہا جاتا ہے کہ جنت میں اس طرح کے باغ تمھیں ملیں گے۔"[۵]

لاکھوں بیرونی افواج کی آمد کے بعد افغان سرزمین پر جگہ جگہ مائنز بچھائے گئے، ان مائنز میں سب سے زیادہ ذہنی و جسمانی نقصان بچوں کو اٹھانا پڑا، کھلونا بموں نے بچوں کی نفسیات پر اتنا جان لیوا اثر ڈالا کہ وہ عام کھلونوں کو دیکھ کر بھی خوف زدہ ہو جاتے۔ ملک احمد سرور کے ناول "پہاڑوں کا بیٹا" میں صائمہ نامی بچی جو کھلونا بم کا شکار ہو کر بے ہوش ہو گئی تھی، جب ہوش میں آتی ہے تو علی اس کے سامنے بازار سے لائے گئے کھلونے رکھتا ہے جسے دیکھتے ہی وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی ہے:

"گڑیا صائمہ کا پسندیدہ کھلونا تھا لیکن اب یونہی اس نے گڑیا کو دیکھا وہ چیخ مار کر دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔"[۶]

افغان جنگ نے بچوں میں بے تحاشا جذباتی صدموں اور ذہنی بگاڑ کو جنم دیا، ڈراؤنے خواب معمول بن گئے، ذہن منتشر اور توجہ بٹ گئی۔ توپوں کی گرج، طیاروں کی گونج، بم دھماکوں، گلی گلی پھیلے فسادات اور قتل و غارت کے ماحول سے جان بچا کر پاکستان پہنچنے والے مہاجرین کے چہروں اور باتوں سے دو پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ ایک اپنی

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

سرزمین سے جدا ہونے کا کرب اور دوسرا وطن واپسی کے حوالے سے ذہنی کشمکش ہے۔ انیس ناگی اپنے ناول "کیمپ" میں مہاجرین کے اسی ذہنی الجھاؤ کو بڑی مہارت سے اجاگر کرتے ہیں۔ اپنی زمین سے بچھڑنے کے بعد ان مہاجرین کو پاکستان میں الگ تھلگ کیمپوں میں سخت نگرانی میں رکھا گیا، ان کی نقل و حرکت کے اوقات متعین تھے اور شہری آبادی میں ان کے ساتھ اجنبیوں جیسا برتاؤ کیا جاتا اس پابندی زدہ ماحول نے ان میں اجنبیت اور احساس کمتری کو جنم دیا۔ ان مشکل حالات کے باعث افغان مہاجرین کے ذہنوں پر مسلسل دباؤ رہا، جس کے اثرات ان کی روزمرہ زندگی، جذبات اور ذہنی کیفیات پر مرتب ہوئے۔ بچے نوجوان اور خواتین خاص طور پر اس نفسیاتی دباؤ کی زد میں آئے اور طویل مہاجر زندگی کے سبب شدید ذہنی انتشار اور عدم تحفظ کا شکار ہو گئے۔

نائن الیون کے بعد مسلمانوں کے لیے شناختی بحران اور عدم تحفظ کا احساس بڑے نفسیاتی عارضوں کے طور پر سامنے آتا ہے۔ نائن الیون کا الزام چونکہ مسلمانوں پر عائد کیا گیا، اس لیے پوری دنیا میں بسنے والے مسلمان نفرت، حقارت کا شکار ہو کر مختلف نفسیاتی مسائل میں گھر گئے، یہی وجہ ہے کہ سانحہ نائن الیون کے بعد لوگوں کے رویوں میں مسلمانوں کے لیے منفی تاثر، نفرت، حقارت اور اسلاموفوبیا جیسے عوامل شامل ہو گئے۔ عدم تحفظ کا احساس سب سے بڑے نفسانی عارضے کے طور پر سامنے آتا ہے، یہ احساس مقامی طور پر جسمانی و معاشی تھا جبکہ مغرب میں یہ احساس مزید شدت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ محسنہ جیلانی کے ناول "میں دہشت گرد ہوں؟" کا مرکزی کردار زرینہ عدم تحفظ کی نمائندگی کرنے والا کردار ہے۔ ناول کے آغاز میں یہ کردار جب ایک نوجوان کی لاش کو پولیس کے نرغے میں دیکھتی ہے تو کئی دنوں تک اسے ڈراؤنے خواب آتے ہیں، جاگتے میں بھی اس کی حرکتیں پاگلوں جیسی ہو جاتی ہیں، جب اسے نفسیاتی معالج کے پاس لے جایا جاتا ہے تو مختلف مراحل کے بعد اس کے خوف اور عدم تحفظ کے جذبات سے پردہ اٹھتا ہے:

> "نہیں نہیں، میں پاگل نہیں ہوں۔ وہ بہت شستہ انگریزی میں کہہ رہی تھی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ مجھے پولیس سے خوف آتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں دہشت گرد ہوں۔"[۷]

مسلمانوں پر مغربی جبر و استعداد نے مسلمانوں میں مغرب مخالف سوچ کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ نائن الیون کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مل کر افغانستان پر یورش کی، تو اس کے رد عمل میں پاکستانی مسلمان بالخصوص پشتون بیلٹ کے مسلمانوں میں امریکہ اور مغربی دنیا سے نفرت کے شدید جذبات کو جنم دیا۔ فرض نمازوں کے بعد امریکہ کو بد دعائیں دی جانے لگیں، افغان جہاد کے کمانڈرز جذباتی انداز میں امریکی مظالم اور جہاد کے فضائل و برکات گنوانے لگے، ان رویوں پر عارف خٹک اپنے ناول "یہ پالا ہے" میں یوں لکھتے ہیں:

> "امریکی حملے سے یہ ہوا کہ پورے خطے میں امریکہ کے خلاف ایک ایسی نفرت نے جنم لیا جس کا انجام کسی کو نہیں معلوم تھا۔"[۸]

عوامی سطح پر مغربی دنیا سے نفرت کے احساسات کی عکاسی طاہرہ اقبال کے ناول "نیلی بار" اور محمد حفیظ خان کے ناول "وجود" میں بھی ملتی ہے۔

افغان جنگ کے نفسیاتی اثرات بہت گہرے اور دیرپا ہیں جنہوں نے پورے معاشرے کو متاثر کیا بہ حیثیت مجموعی ان اثرات میں جذباتی بے حسی، خوف، جارحیت، انتہا پسندی اور ذہنی عدم توازن نمایاں ہے۔ مسلسل جنگ اور تشدد کے ماحول نے لوگوں کے احساسات کو مفلوج کر دیا، یہاں تک کہ انسانی جان کی قیمت بے معنیٰ ہو گئی، فدائین کی بھرتی کے لیے انسانی ذہن کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا جب کہ بچوں کے ذہنوں میں خوف، بے حسی اور عدم تحفظ نے جنم لیا۔ جنگی اثرات صرف میدان جنگ میں لڑنے والوں تک محدود نہیں رہتے، بلکہ پورے معاشرتی ڈھانچے کو متاثر کرتے ہیں جس کے اثرات نسلوں تک محسوس کیے جاتے ہیں۔ اردو ناول میں ان نفسیاتی شکست وریخت کو بھرپور انداز میں اجاگر کرنے کی سعی ملتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حوالہ جات:

(1)شبنم گل، ایکسپریس، لاہور، اتوار، ۱۹نومبر ۲۰۲۳

(2) https://urdu.dunyanews.tv/index.php/ur/world/442961

(3)مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸، ص ۱۴۳

(4)طاہرہ اقبال، ڈاکٹر، نیلی بار، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۲۰، ص ۴۳۹

(5)زیف سید، گل مینہ، راولپنڈی، رمیل پبلی کیشنز، ۲۰۱۹، ص ۲۰۸،۹

(6)ملک احمد سرور، پہاڑوں کا بیٹا، لاہور، البدر پبلی کیشنز، ۱۹۹۰، ص ۱۶

(7)محسنہ جیلانی، میں دہشت گرد ہوں؟، کراچی، شہر زاد، ۲۰۰۸، ص ۴۲

(8)عارف خٹک، یہ پالا ہے، لاہور، سنگ میل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۲۲، ص ۱۶۹